

پھوپھو کو آگ لگی ہے تو لگی رہنے دو۔ لوگوں کے منہ بھی کبھی بند ہوئے ہیں۔ پہلے کہتے ہیں بچہ کس کلاس میں ہے؟ کس سکول میں ہے؟ بڑا ہوتا ہے تو اس کی نوکری کے متعلق سوال کر کر کے مت مار دیتے ہیں۔ کماؤ ہو جائے تو شادی کے لیے جان کو آجاتے ہیں۔ شادی کر کے توند باہر نکال لے تو پھر بچوں کی فکر شروع ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو تو تم چھوڑ ہی دو۔ لوگوں کی وجہ سے شادی کا طوق گلے میں نہ ڈالو۔ تیس سال تک موجیں اڑاؤ، اس کے بعد شادی کریں گے۔ شادی بہت بڑی ذمہ داری کا نام ہے۔“

”ساری ذمہ داری میں خود پوری کروں گی۔ آفتاب آپ کے سر کچھ بھی نہیں ڈالوں گی۔“

”دیکھو تم شادی کرنا چاہتی ہو تو کر لو۔ تمہیں مجھ سے اچھے بہت مل جائیں گے۔“

”مجھے آپ کے علاوہ اور کوئی چاہیے ہی نہیں۔ اس کے اچھے یا برے ہونے سے کیا لینا دینا؟“

”دیکھو میں تمہیں ترکیب بتاتا ہوں کسی بوڑھے امیر سے شادی کر لو۔ بوڑھا مر جائے گا اس کی دولت لے کر تم میرے پاس آ جانا۔“

”کیسی فضول باتیں کر رہے ہیں آپ آفتاب؟“

”ٹھیک کہہ رہا ہوں تم شادی کر لو۔ ہم تو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ناں۔ ہم ملتے رہیں گے۔ تمہارے بغیر پتہ ہے میں رہ ہی نہیں سکتا۔“

”آفتاب آپ برداشت کر لیں گے کہ کوئی اور مجھے دیکھے، مجھے ایسے ہاتھ لگائے جیسے آپ لگاتے ہیں۔“ وہ تلخ ہوئی تھی۔

”ہاں تو اس میں بڑی بات کیا ہے۔ تم نہاد ہو کر میرے پاس آنا اس کی بدبو لے کر نہ آنا۔“ وہ ہنس رہا تھا۔

”آفتاب آپ یہ برداشت کر لیں گے کہ آپ کی بہن شادی کرے اور اس کے بعد اپنے عاشق سے ملتی رہے نہاد ہو کر؟“ وہ بہت تلخی سے گویا ہوئی۔

گہری خاموشی!

نجانے کیوں پاکیزہ کے لیے وہ عاشق رہ گیا تھا۔

پاکیزہ بھول گئی تھی وہ اس کے نکاح میں ہے!



پیار میں جسم کو یکسر نہ مٹا! جانے دے

قربت لمس کو گالی نہ بنا! جانے دے

تُو جو ہر روز نئے حسن پہ مر جاتا ہے

تُو بتائے گا مجھے عشق ہے کیا؟؟ جانے دے!!

اس کے پاؤں پر آبلے پڑ چکے تھے اور آبلے اب رس رہے تھے۔ شدید گرمی اور خراب سڑک۔۔!

اس سے بڑھ کر کوئی بد نصیبی ہو سکتی ہے؟ ہاں اس سے بڑی بد نصیب تو وہ خود تھی۔

گرم لو کے تھپیڑے اور رستے ہوئے زخم اتنی تکلیف نہیں دیتے جتنا دل کا ٹوٹ جانا۔ وجود کو لاکھ سنبھالو۔۔۔ ان کرچیوں کے ساتھ بکھرتا ہی چلا جاتا ہے۔

آس پاس کی سبھی دکانوں سے جھانکتے دکاندار اس طرح کی دیوانگی دیکھنے کے عادی تھے۔ یہ منت پوری ہونی تھی یادھاگے کی صورت پیر پر باندھی ہی رہ جانی تھی۔ اس سے بالاتر ایسے سستے تماشے وہ آئے روز دیکھتے تھے۔ تماشہ بنی وہ تھک چکی تھی۔

بڑے آہنی دروازے کو دیکھتے ہی وہ تازہ دم ہوئی۔ تھکاوٹ تو پہلے بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ کسی کو پالینے کا عزم آنکھوں سے

جھانک رہا تھا۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی اس نے جوتے ایک طرف کو اتارے۔ سیڑھیاں منتظر تھیں۔ وہ یاد آیتیں پڑھتی

چڑھتی چلی گئی۔ سامنے برآمدہ سا بنا تھا اور آگے کو ایک چھوٹا سا قبرستان۔۔۔

وہ قبرستان عبور کر کے آئی تو بہت چھوٹا سا دروازہ تھا اسے اب جھکنے تھا۔ جھکا ہوا سر مزید جھکا کر اندر داخل ہوئی۔ پکی زمین پر چھوٹا سا

کمرہ تھا۔ قبر پر سبز چادر پڑی تھی۔ ایک میٹھی سی خوشبو جو اندر آتے آتے تیز ہو گئی تھی۔ اس نے ایک لمبا سانس لینا ہاتھ میں پکڑے

شاہر میں سے مٹھائی کا ڈبہ نکالا۔ مزار کی دیکھ بھال کرنے والے نے پاس آکر اتنا پوچھا۔

”بی بی منت لائی ہو؟“

وہ کہہ سکتی تو کہتی دل لائی ہے۔۔۔ لیکن سر صرف اثبات میں ہلا دیا۔ پوچھنے والا ہاتھ کے اشارے سے بٹھا کر چلا گیا۔ اب اسے تب تک وہی بیٹھا رہنا تھا جب تک گیارہ منت مانگنے والے لوگ مٹھائی کے ڈبے میں موجود گیارہ رس گلے جن پر چھلے سجے ہوئے تھے اٹھا کر نہیں لے جاتے۔ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے لگی۔

جوں جوں شام کا وقت منڈیر پر آنے لگا۔ مزار میں رش بڑھنے لگ گئی۔ وہ وہی بیٹھی قرآن پاک پڑھتی رہی۔ ساتویں عورت نے اس کے پاس آکر رس گلا اٹھایا تو ساتھ ہی پوچھا۔ کیا نام ہے اس کا؟ پاکیزہ نے فوراً ہی بتایا۔ وہ آنکھیں بند کر کے کوئی حساب کتاب کرنے لگ گئی۔

”مل جائے گا تجھے مل جائے گا۔“ بد وضع سی چال ڈھال والی عورت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اسے یوں لگا کہ گویا وہ مل ہی گیا ہو۔

واپسی میں جاتے ہوئے اس کی چال میں تمکنت تھی۔ وہ پرسکون تھی۔ کچھ چھوٹے چھوٹے اشارے بڑی خوشیوں سے زیادہ خوش کر دیتے ہیں وہ۔ سوچ رہی تھی اندھیرا ہونے کو تھا اور وہ گلی سے باہر نکلنے والی تھی۔ گلی اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ کوئی قرب ہو اور من چاہا ہو تو چال ایسی ہی ہو جاتی ہے۔ ہوانے دھیرے سے اس کی پھٹی ہوئی ایرڑھیوں پر گدگدی کی۔ وہ ننگے پاؤں واپسی کے سفر پر چلتی رہی۔

اسے کسی نے کہا تھا اکتالیس دن تک اکتالیس دفعہ سورت یسین پڑھ کر اکتالیس باداموں پر پھونک دو۔ ان میں سے تین بادام آفتاب کو کھلا دو اور باقی خود کھا لو۔ وہ تم سے شادی کر لے گا۔ اس نے ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر مسلسل وظیفہ کیا۔۔۔ نتیجہ کیا ملا؟ کچھ بھی نہیں۔۔۔ وہ ناامید نہیں تھی۔ اللہ کے کلام میں بہت برکت ہوتی ہے، وہ گناہگاروں پر بھی اثر کرتا ہے۔ اس کی تاثیر سے کوئی بچ نہیں سکتا پھر اس کے نصیب کیسے سونے رہتے؟ اس کی آنکھوں میں جگنوؤں نے ہر صورت آنا تھا۔

شہر کا کوئی دربار مزار ایسا نہ تھا جہاں وہ نہ گئی ہو۔ اپنی منت کے ستارے آنچل میں پرو کر ہر ولی اللہ ہر زاہد کے سامنے جھولی پھیلانے لگ گئی تھی۔ کسی اللہ والے کو دیکھتی کسی نیک بندے کو دیکھتی تو دعا کی درخواست کرتی۔ اس کی آواز رندھ جاتی، آنکھ سے آنسو نکلنے لگتے۔ اس کے بال سمٹے رہتے، سر ڈھانپا رہتا۔ عائنیں مسلسل سے کہیں زیادہ مسلسل ہو چکی تھیں

فرض نمازیں تو گھٹی میں شامل تھی۔ اب وہ تہجد چاشت بھی نہ چھوڑتی۔ قرآن پاک میں پڑھا کہ جو گرم نرم بستر کو چھوڑ کر اللہ کو یاد کرے گا اللہ اسکی حاجت ضرور پوری کرے گا۔ بستر اب اسے کانٹے کی طرح لگتا تھا۔ اللہ جی تو سب کو دیتے ہیں مجھے بن مانگے دیتے ہیں۔ اب میں مانگوں گی تو کیا خالی ہاتھ لوٹا دیں گے؟ اس نے شکر کرنے کی توفیق مانگی تھی وہ صبر نہیں کر رہی تھی۔

عید گاہ کے پیروں نے اسے دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ یہ لڑکی باؤلی ہو چلی تھی کالا دوپٹہ زمین کی دھول چاٹ رہا تھا۔ سکاف کس کر باندھا ہوا تھا۔ رویوں رہی تھی جیسے آج ہی یتیم ہوئی ہو۔ بین دل کو چیرتے تھے۔ ہچکیاں لیتا وجود جب سسکیاں بھرنے کی کوشش کرتا تو ناک لال ہو جاتی۔ رواں آنسو چہرے کی ملامت کو مسکینی میں بدل رہے تھے۔ اس کا کیا قصور تھا اس نے تو محبت کی تھی۔ یہی تو اس کا قصور تھا اس نے محبت کی تھی!

شکر ہے کہ اللہ دلوں کا حال چہرے سے نہیں ظاہر کرتا۔ وہ ہم گناہگاروں کے عیب چھپا کر رکھتا ہے۔ اگر ہمارے عیب بھی ہمارے چہرے سے دوسروں کو نظر آنے لگ جائیں تو ہم مسکین نہ لگیں۔۔۔ ہم تو ذلیل و رسوا ہو جائیں۔۔۔ غیب کا علم اسی لیے اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ تنہائیوں میں ہونے والے، اندھیروں میں ہونے والے گناہ سب کے سامنے نہیں لاتا۔ جب تک ہم زندہ ہیں ہمیں موقع دیتا ہے۔ توبہ کر لو۔۔۔ بخشش مانگ لو۔۔۔ اگر وہ بخشش فرمادے تو پھر ان گناہوں کو ایسے مٹا دے گا جیسے کیے ہی نہیں۔ قیامت کے دن جب رائی برابر غلاظتیں نہیں چھپی رہیں گی، اس دن وہ ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

یہ اس کے عیوب کا چھپنا ہی تھا جو اسے بچا گیا۔ اپنے آنسوؤں سے اس نے عید گاہ کے پیر سے ایک آیت لی۔ انہوں نے کہا تھا گیارہ ہزار مرتبہ پڑھو جو چاہتی ہو مل جائے گا۔ اس نے گیارہ ہزار مرتبہ پڑھ لیا روتی بلکتی پھر گئی۔ دن گزر رہے تھے لیکن اثر نہیں ہو رہا تھا۔ کوئی تبدیلی نہیں آرہی تھی۔ حالات بگڑتے چلے جا رہے تھے۔ وہ جو نام لے لے کر مارتا تھا، اب آواز سننا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ دل کرتا تو بات کر لیتا ورنہ نظر انداز کر دیتا۔

کوئی اتنا بھی کیسے بدل سکتا ہے؟ اور اگر بدلنا اتنا ہی آسان ہے تو پہلے جیسا کیوں نہیں ہو جاتا۔ پہلے جیسا ہوتا تو زندگی کتنی مختلف ہوتی۔۔۔ کتنی حسین ہوتی۔۔۔ اپنے گلے شکوے دیوتا کے سامنے پیش کرتی۔ وہ سن کر ہنسی میں اڑا دیتا۔ کہتا آٹھ سال لگا کر تم نے مجھے بدلا ہے اب آٹھ سال بعد چاہتی ہو کہ میں پھر بدل جاؤں!

وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتی۔ عید گاہ کے پیر نے اب اکتالیس ہزار دفعہ وہی آیت پڑھنے کو کہا۔ فرق نہیں پڑا۔ تعداد لاکھ ہو گئی۔ کہنا آسان ہے پڑھنا مشکل! ایک ہی شخص کا تصور کیے پورے دل سے اللہ کے حضور مسلسل مناجات کرتے رہنا بہت مشکل ہے۔ ساری دنیا کے خالق سے اپنی مرضی کا فیصلہ کروانا کہاں آسان ہے۔ وہ تو محبت کرتی تھی اس کے لیے سارے مرحلے آسان ہوتے گئے۔ تعداد لاکھ سے تین لاکھ تک جا پہنچی۔ وہ بوکھلائی سی رہنے لگی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ہمہ وقت رہتے۔ وہ آفتاب کی ہو جانے کا کلمہ پڑھنے لگی تھی۔

ربنا ایتنا فی الدنیا حسنة وفي الآخرة حسنة پڑھتی تو اسے بہتری آفتاب لگتا۔۔۔ اسے حسنة آفتاب لگتا۔۔۔ وہ آفتاب کا تصور کرتی، وہ اسی کو مانگتی۔

پاکیزہ کی شدتوں سے وہ غافل کہاں تھا۔ ملتا رہتا تھا۔ جب بلاتا کچے دھاگے سے بندھی چلی جاتی۔ وہ موم ہو گئی تھی۔ وہ موڑ تار ہتا وہ مڑتی رہتی، وہ توڑ تار ہتا وہ ٹوٹی رہتی۔ وہ جوڑ تار ہتا وہ جڑتی رہتی، وہ ڈھالتار ہتا وہ ڈھلتی رہتی، سانس بھی اس کی مرضی سے لیتی لیکن وہ کیا کہتا تھا۔۔۔

”وہ کہتا تھا“ مجھے اب تم سے چڑھونے لگی ہے۔۔۔ اتنی محبت تم کرتی نہیں ہو جتنی ظاہر کرتی ہو۔

وہ دل چیر کر دکھا سکتی تو دکھا دیتی۔ برسوں پہلے وہ دستک دینے والا تھا اور اس نے دروازہ کھولا تھا اب وہ دستک دے رہی تھی اسے بھی تو دروازہ کھولنا چاہیے تھا۔ اس کی ذہانت کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے والا اسے نفسیاتی کہتا تھا۔ ”تم نفسیاتی مریض ہو۔ تمہیں نفسیات کے ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔“ وہ من ہی من میں سوچتی۔

”میں دل کی مریض ہوں۔ مجھے طبیبِ عشق کو دکھانا چاہیے۔“

اس کی رنگت کو سنہرا کہنے والا اس کے اٹھنے بیٹھے میں سو سو قباحتیں نکالتا تھا۔ ”تم اپنا چہرہ تو ٹھیک کرو۔ ہر وقت کہیں نہ کہیں سے شکل خراب ہوتی ہے۔ اپنی رنگت دیکھو۔۔۔ کیا حشر بنایا ہوا ہے۔ تمہارے ساتھ چلتے بھی شرم آتی ہے۔“ وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔ آفتاب کو کیا معلوم آفتاب کے لفظوں سے سودفعہ قبر کھودی جاتی تھی، وہ ہر دفعہ اس میں مدفن ہوتی۔ اپنی انا کو اسی قبر میں ڈالتی۔ عزت نفس کو جلا کر خاک کرتی پھر قبر سے نکلتی اور آفتاب کے سامنے ہاتھ پھیلاتی۔

”مجھ سے شادی کر لو۔۔۔“ ایک عذاب تھا جو اسے زندگی میں دے دیا گیا تھا۔

سب رنگ پہننا چھوڑ چکی تھی وہ سیاہ رنگ پہنتی تھی ایک بہتر تبصرہ اسی رنگ کے لباس میں ملا تھا۔

کچھ بہتر لگتا ہے تمہارا رنگ اس رنگ میں۔“ تب سے بس سیاہ رنگ تھا سیاہ رنگ کا جو تا، سیاہ رنگ کے کپڑے، سیاہ رنگ کا بیگ۔۔۔“ ایک سیاہی تھی جو انتظار کی صورت اس کے ماتھے پر چپکادی گئی تھی۔ وہ خود کو رگڑ رگڑ کر دھویا کرتی مگر یہ سیاہی جان نہ چھوڑتی۔ وہ ابھول چکی تھی آخری دفعہ بے ساختہ کب ہنسی تھی۔ مسکراتی تو لگتا رو پڑے گی اور اگر وہ روتی تو یہ بات طے تھی آنسو سیاہ نکلتے۔۔۔

نمازیں لمبی ہو گئی تھیں۔ وہ سجدے میں جاتی تو سجدے سے نہ اٹھتی۔ تسبیحات طویل سے طویل تر ہوتی گئی۔ جتنا اللہ کے آگے جھکتی اتنا شرمندہ ہوتی۔ دل میں عجیب کھٹکسا پیدا ہو گیا تھا۔ اگر یہ نکاح ہے تو کیسا نکاح ہے جو اس شخص کے دل میں محبت پیدا نہیں کر سکا اور اگر نکاح نہیں ہے تو میں اب تک کیوں رابطے میں ہوں؟ میں اس سے کیوں ملتی رہی ہوں؟ ہزاروں سوال تھے۔۔۔ جو دل میں طوفان برپا کیے رکھتے۔ وہ سوالوں پر جاتی تو چین سے نہ رہ پاتی۔ اس کی ہر سانس مشکل ہو جاتی۔

ایک وقت تھا کہ آفتاب اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ وہ اس کی عادت بن گیا پھر اسے عادت سے محبت ہوئی۔ اب اسے اس محبت کی ضرورت تھی۔ دوسری طرف آفتاب کیا سوچتا تھا وہ نہیں جانتی تھی۔ دل چاہتا تھا کسی طرح اس کے دماغ میں داخل ہو جائے۔ جتنی بدگمانی اور بے قدری سوچوں میں بھر چکی ہے کسی طرح سے مٹا دے لیکن اس کے اختیار میں یہ تھا ہی نہیں۔۔۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا وہ انسان ہے خدا نہیں! اس کی عقل تسلیم کر رہی تھی کہ کوئی ہستی ہے جس کی مرضی کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا!

وہ چاہتی تو اسے چھوڑ دیتی لیکن چاہ میں کب کچھ تھا؟ وہ دعاؤں سے نکل کر نس نس میں بھر چکا تھا۔ وہ چاہ کر بھی چھوڑ نہیں پارہی تھی۔ دل و دماغ میں عجیب سی کشمکش تھی۔ آفتاب سے ملتی تو مزید کشمکش کا شکار ہو جاتی۔ وہ کبھی اتنا اچھا بنتا کہ ہیرا لگتا، کبھی اتنا بدلتا کہ کاٹ کر رکھ دیتا۔ واقعی ہیرے جیسی صفات تھی۔ خیال رکھنے پر آتا تو پاؤں چومنے لگتا، درشتگی پر اترتا تو نظر بھر کر نہ دیکھتا۔ من چاہتا تو پاکیزہ کو دیکھ کر گنگنا تا رہتا اور جی نہ مانتا تو ہزاروں فرمائشیں کرتی پاکیزہ پر کان نہ دھرتا۔ ایک آنس کریم کھلانے کے لیے میلوں دور لے جاتا اور کبھی کبھی ایک چھوٹی سی بات پر رُلا دیتا لیکن بات نہ مانتا۔ آفتاب کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ اب اس کو پاکیزہ کے رونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

قرآن پاک آفتاب کو پاکیزہ تحفے میں دے چکی تھی۔ شاید کسی چیز سے وہ سنجیدہ ہو جائے۔۔۔ شاید وہ جان سکے کہ پاکیزہ آفتاب سے کتنی محبت کرتی ہے۔۔۔ پاکیزہ کی ساری کوششیں بے معنی جارہی تھیں۔ جس دن کوئی وظیفہ مکمل ہوتا آفتاب کارنگ ڈھنگ تھوڑا سا بدلتا۔ وہ پُر امید ہو جاتی، ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتی لیکن پھر کوئی نا کوئی بات بری لگ جاتی اور وہ اتنے فاصلے پر کھڑا نظر آتا کہ وہ خود کو تنہا محسوس کرنے لگتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

گئے دنوں کی عزیز باتیں

نگار صبحیں، گلاب راتیں

بساطِ دل بھی عجیب شے ہے

ہزار جیتیں، ہزار ماتیں

جدائیوں کی ہوائیں لمحوں کی

خشک مٹی اُڑا رہی ہیں

گئی رتوں کا ملال کب تک؟

چلو کہ شاخیں تو ٹوٹتی ہیں

چلو کہ قبروں پہ خون رونے سے

اپنی آنکھیں ہی پھوٹتی ہیں

رشتے سچ میں آنے لگ گئے تھے۔ پھوپھو کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ لاکھ کوششوں کے باوجود آفتاب کی والدہ نہیں مان رہی تھیں۔ ایک تسلی تو تھی کہ آفتاب راضی ہے۔ بس وہ اسی تسلی سے امید کا دیار روشن کیے آنکھیں انتظار میں جمائے بیٹھی تھی۔ سب کچھ قابلِ برداشت تھا لیکن دل کا کھٹکا اسے وسوسے میں ڈال رہا تھا۔

اللہ کا نام منہ سے بھی لو تو دل سچا ہو جاتا ہے۔ اللہ کا نام لے کر یہ دنیا اور رسم و رواج دماغ سے نکل چکے تھے۔ بس اللہ یاد تھا۔ وہ نکاح کر کے اللہ کی نظر میں سرخرو ہونا چاہتی تھی۔ آفتاب اور پاکیزہ کے درمیان لڑائی جھگڑے ہونے لگ گئے۔ پاکیزہ کی باتیں آفتاب کو طنز لگتیں۔ آفتاب کی مصروفیت پاکیزہ کو رعوت محسوس ہوتی۔ جب سجدے میں جھکتی تو بس یہ دعا کرتی کہ اگر وہ بد دعا ہے تو اسے میرے لیے دعا بنادے، اگر وہ بلا ہے تو اسے میرے لیے ردِ بلا بنادے۔ اللہ سے بس یہی چاہتی تھی کہ آفتاب سے ایک دفعہ سب کے سامنے سچا نکاح ہو جائے پھر بھلے وہ اس کے قریب نہ آئے۔۔۔ پھر بھلے وہ اسے طلاق ہی دے دے۔۔۔

آفتاب قریب تو آتا تھا لیکن نکاح نہیں کرتا تھا۔ سب کے سامنے علی الاعلان اقرار بھی نہیں کرتا تھا۔ باقی بس یہ ہی تھا کہ یہ بے نام سا تعلق بھی ٹوٹ ہی جائے۔

وہ پھانسی کے پھندے سے لٹکی ہوئی تھی۔ جان جانے کا خوف بھی تھا اور جینے کی خواہش بھی۔ بچنے کی امید نظر نہ آتی تھی اور مرنے کا اپنا ارادہ بھی تھا۔ زندگی موت بن چکی تھی۔ وہ سمجھ نہیں رہی تھی لیکن حقیقتاً زندگی موت ہی کا سفر ہے۔

آفتاب نے بہت اصرار کر کے اسے ملنے بلایا تھا۔ اس گیسٹ ہاؤس میں بھی وہ پہلے کئی دفعہ مل چکے تھے۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ خاموشی سرسرا رہی تھی۔

تمہیں پتا ہے تم بہت خوبصورت ہو۔۔۔ ”وہ اس کے کانوں میں شہد انڈیل رہا تھا جو پیروں میں ریشمی زنجیر بنتا جا رہا تھا۔“

آفتاب آپ شادی کب کریں گے؟ ”وہ وہیں ٹانگی ہوئی تھی۔ اس کی زندگی اور موت بس اسی ایک سوال سے جڑی ہوئی تھی۔“

پاکیزہ شادی سے پہلے میں تمہیں نفسیات کہ ڈاکٹر کے پاس ضرور لے کر جاؤں گا ورنہ میری تو زندگی تم عذاب بنا کر رکھ دو گی۔“ آفتاب بہت ہنستے ہوئے بولا۔

آج اسے کوئی بات بری نہیں لگ رہی تھی۔ ہنسی نے تھوڑی سی تقویت پاکیزہ کو مزید بخشی۔

”آفتاب میری شادی ہو جائے گی۔ پھوپھو مزید انتظار نہیں کریں گی۔“ وہ منمنائی۔

”میں شادی نہیں کر سکتا ابھی۔ یہ دیکھو اور تھوڑی سی سہانگی دو۔“ وہ تصویر بنا رہا تھا، پاکیزہ نے بمشکل مسکراہٹ نکھاور کی۔

”آفتاب کچھ کریں ناں۔ صرف رشتہ بھیج دیں۔ شادی بے شک دس سال بعد کرنا کم از کم رشتہ بھیج دیں۔ میں لوگوں کی باتوں سے تو بچ جاؤں گی۔“ وہ اس سے درخواست کر رہی تھی۔ وہ صرف یہی کر سکتی تھی۔

”تم تو کہتی تھی تمہیں صرف دل کی تسلی چاہیے۔ اللہ کو راضی کرنا چاہتی ہوں لوگوں کی پرواہ نہیں ہے اور آج تم لوگوں کی پریشانی لے رہی ہو؟“ پتہ نہیں وہ طنز کر رہا تھا یا پاکیزہ کو لگا۔

”پھر میرے دل کو اطمینان دے دیں آپ مجھ سے کورٹ میرج کر لیں پورا پورا نکاح کر لیں۔ قانونی طور پر بیوی بنالیں۔“ پاکیزہ کے دل کا کھٹکا زبان پر آگیا تھا۔

”تم نکاح کو اپنے دماغ سے نکال کیوں نہیں دیتی ہو۔ ہر روز نئی بات نکالتی ہو۔“ وہ غصے میں آگیا تھا۔

”میں بس ویسے ہی کہہ رہی ہوں۔۔۔۔۔“ پاکیزہ کی بات آدمی منہ میں ہی تھی۔

”ویسے ہی کیا کہہ رہی تھی؟ تمہارا کام ہے میرا دماغ خراب کرنا۔ تمہیں سکون پسند ہی نہیں ہے۔ تم چاہتی ہی نہیں ہو کہ ہم دونوں ہنسی خوشی رہیں۔“

”میں ہمیشہ ساتھ رہنا چاہتی ہوں آفتاب۔۔۔ تنگی ترشی میں برداشت کر لوں گی۔“ پاکیزہ کی زبان میں کھلی ہوئی تھی۔

”تمہیں نہیں لگتا تم نفسیاتی مریض ہو؟ تمہارے ساتھ رہ کر میں نفسیاتی ہو گیا ہوں۔ میرا دماغ خراب ہو جاتا ہے تمہاری خرافات سن سن کر۔۔۔“ وہ چیخ رہا تھا۔

”آفتاب آہستہ بولیں پلیز۔“

”میں آہستہ بولوں؟ میں آہستہ بولوں؟ مجھے سکھاؤ گی؟ تم اب تم سے سیکھنا پڑے گا کہ میں نے کیسے بولنا ہے؟ تمہارے باپ کا گھر نہیں ہے کہ آہستہ بولوں۔۔۔“ وہ بے قابو ہو رہا تھا۔

”پلیز آرام سے آفتاب“ پاکیزہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

آفتاب نے جو اب اس کا ہاتھ اتنی زور سے جھٹکا کہ پاکیزہ کو دھکا سا لگا۔ آفتاب کے مضبوط ہاتھوں کی بے رخی نے پاکیزہ کا سر الماری کے ساتھ جا لگایا۔ لوہے کی الماری کا قبضہ ٹوٹ کر باہر کی طرف نکلا ہوا تھا۔ سر پر جو لگی سو لگی۔۔۔ دائیں کان کے پاس سے گال پر زخم بن گیا۔ خون بہہ رہا تھا۔

”آفتاب۔۔۔“ وہ سسکی اپنا ہاتھ گال کو لگایا تو پپوٹے سرخ ہو گئے۔ ایک نظر آفتاب کو دیکھا تو وہ اب بھی رخ موڑے کھڑا تھا۔
 ”یہ دیکھیں مجھے لگ گئی ہے۔ اب تو میری طرف دیکھیں۔“ اس نے منت کی تھی۔۔۔
 وہ مڑا۔۔۔ اس کے زخم پر تھوک کر کرے سے باہر نکل گیا۔۔۔
 پاکیزہ۔۔۔ آفتاب کی پاکیزہ۔۔۔

روشنی کی خواہش کرنے والی اپنے چہرے کا داغ لیے مردہ سی کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

منسوب تھے جو لوگ میری زندگی کے ساتھ

اکثر وہی ملے ہیں بڑی بے رخی کے ساتھ

یوں تو میں ہنس پڑا ہوں تمہارے لیے مگر

کتنے ستارے ٹوٹ پڑے اک ہنسی کے ساتھ

فرصت ملے تو اپنا گریباں بھی دیکھ لے

اے دوست یوں نہ کھیل میری بے بسی کے ساتھ

مجبوریوں کی بات چلی ہے تو مئے کہاں

ہم نے پیہا ہے زہر بھی اکثر خوشی کے ساتھ

چہرے بدل بدل کے مجھے مل رہے ہیں لوگ

اتنا بر اسلوک میری سادگی کے ساتھ؟

اللہ جی! مجھے آپ نے کب اکیلا چھوڑا ہے؟ ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے؟ میں نجانے کتنی دفعہ اس سے ملی ہوں۔۔۔ مجھے تو تعداد بھی یاد نہیں لیکن ایک دفعہ بھی ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوا کہ بات گھر تک آئی ہو۔ آپ نے تو اللہ جی مجھے کبھی رسوا نہیں کیا۔۔۔ اس دفعہ کیوں آزمائش اتنی طویل ہوتی جا رہی ہے؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔۔ میرا دماغ پھٹنے لگتا ہے۔ اللہ جی! میں ایسی لڑکی نہیں تھی کہ خود کو نمائش کے لیے پیش کروں۔۔۔ میں ایسی لڑکی بھی نہیں تھی کہ کسی کو اپنا آپ دکھا کر خوش ہوں۔۔۔ راہ چلتے اگر کوئی مجھے چھو کر گزرنے کی کوشش کرتا تو میں بھلے شور نہ ڈالتی تھی لیکن رک کر ایک زہریلی نگاہ اس شخص پر ضرور ڈالتی تھی کہ دوبارہ کسی کو چھونے سے پہلے اس کے دل میں تھپڑ کا ڈر ضرور ہو۔۔۔ میں نے تو محبت کو کبھی اپنی ترجیحات میں شامل ہی نہیں کیا تھا۔۔۔ یہ محبت تھی جو خود میری زندگی میں شامل ہوتی گئی۔۔۔ اس شخص نے مجھے پاگل کیا تھا۔ مجھے اس راستے پہ لے جانے والا وہ شخص ہے۔ میں اسے الزام ضرور دیتی ہوں لیکن اگر وہ میرا ہو جاتا یا مجھے اپنا بنا لیتا تو میں اسے یہ زندگی بھی بطور انعام دے دیتی۔

اللہ جی میرے ساتھ آئینے میں کھڑا ہو کر ہم دونوں کو ایک ساتھ خوبصورت کہنے والا آج آئینے کی گواہی پر بھی نہیں جا رہا۔ میں کدھر جاؤں اور کس سے کہوں؟ اگر وہ شخص خوبصورتی کا رسیا تھا تو اس نے تب مجھے کیوں چنا جب میں واقعی کچھ نہیں تھی؟ ایک تیرہ چودہ سال کی سانولی سی بچی میں اسے کیا نظر آیا تھا۔۔۔ اگر اس نے میرا ہونا ہی نہیں تھا تو مجھے کسی دوسرے کے قابل تو چھوڑتا۔۔۔ ان آٹھ نو سالوں میں اس کی زندگی میں ہزاروں لڑکیاں آتی جاتی رہیں۔ سکول کے زمانے میں بھی وہ مجھے جلانے کی خاطر کتنی ہی لڑکیوں سے دوستی کرتا رہا لیکن اختتام میں وہ میرے پاس آتا تھا۔ اللہ جی! اب اختتام کب آئے گا؟ اللہ جی! اب وہ میرے پاس کب آئے گا؟

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابرار	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	ممتاز مفتی
نگہت عبد اللہ	سباس گل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایم اے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، ردا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سپنس ڈائجسٹ، جاسوسی ڈائجسٹ،
سرگزشت ڈائجسٹ، نئے افق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،
جاسوسی دنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

اللہ جی میں اسے بھول بھی جاؤں تو اس کی دیوانگی کیسے بھولوں؟ وہ جو میری ہتھیلیوں پر بار بار نرم بوسے دیتا تھا۔۔۔ اس لمس کو کیسے بھولوں؟ میں اس شخص کی بے وفائی کو یاد رکھ لوں لیکن اس دل کا کیا کروں جو اس کے گھر میں دھڑکنے لگ گیا تھا؟ اس مان کا کیا کروں جو مجھے اس کے نام پر تھا؟ اس دعا کا کیا کروں جو میرے خوابوں تک میں آنے لگی تھی؟ میں اس دماغ کا کیا کروں جو اس کے گھر والوں کو اپنا خاندان سمجھنے لگ گیا تھا؟ میں کسی دوسرے انسان سے تو کیا اس کے گھر والوں سے بھی کبھی محبت کی دعویٰ دار نہیں ہو سکتی۔۔۔ محبت تو ایک دفعہ ہوتی ہے اور وہ مجھے ہو گئی۔ اب میں ڈھونگ کر سکتی ہوں لیکن محبت نہیں کر سکتی۔۔۔ محبت کو کہیں یہ محبت بن کر مجھے نہ آزمائے۔۔۔ اس محبت کو کہیں کہ مجھے میری محبت دے دے۔۔۔ یہ ظلم ستم محبت کو کہہ دیں کہ اور نہ کرے! محبت۔۔۔ نہیں! محبت اب اور نہیں! پلیز نہیں! محبت اب اور نہیں

وہ بیوقوف نہیں تھی وہ تو بہت سمجھدار تھی۔ وہ کیسے کسی کو ہر ایک لمحہ بتاتی۔ جب جب آفتاب نے اس کا اعتماد کمایا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں جس سے اس کا یقین آفتاب پر بڑھتا چلا گیا تھا۔۔۔ وہ پاکیزہ کو سوئی بھی نہیں لگنے دیتا تھا۔ پاکیزہ کے رونے پر جیسے آفتاب کی روح جسم سے نکلنے لگ جاتی۔ خود کو ہزاروں تکلیفیں دے دیتا لیکن پاکیزہ کو ٹھنڈی گرم ہوا تک نہ لگنے دیتا۔ پاکیزہ کی کوئی کتاب کہیں سے نہ مل رہی ہوتی تو آفتاب کی ذمہ داری بن جاتی۔

پاکیزہ اتنے سارے لمحوں کو یاد نہیں رکھ سکتی تھی۔ اگر ان لمحوں کو کسی طرح یاد بھی کر لیں تو ان لمحوں سے کشید کیے جانے والے جذبات کسی کو بتائے نہیں جاتے۔۔۔ جب کوئی آپ کی طرف پیار سے دیکھتا ہے، نرمی سے چھوٹا ہے، نرم بوسہ دیتا ہے، آنکھوں میں احترام رکھتا ہے تو دل نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی جگہ بنا لیتا ہے۔ وہ جگہ نہ تو ختم ہو سکتی ہے نہ ہی کسی اور کو مل سکتی ہے۔ اس جگہ میں یا تو وہی رہتا ہے یا کوئی نہیں۔۔۔! جب مکانوں سے مکین چلے جاتے ہیں تو مکان مکان نہیں رہتے کھنڈر بن جاتے ہیں۔

کھنڈر دل لیے جی رہی لڑکیوں کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ لوگ جب پوچھتے ہیں تو آپ کے پاس دینے کو دلیل نہیں ہوتی، دکھانے کو کوئی ثبوت نہیں ہوتا، صرف جذبات ہوتے ہیں جو آپ محسوس کر سکتے ہیں۔ بد قسمتی یہ کہ جذبات کا احساس بھی کسی دوسرے کو نہیں دے سکتے۔

لوگ سچ کہتے ہیں۔۔۔ لوگ سچ سمجھتے ہیں۔۔۔ یہ لڑکی بے وقوف ہے! یہ تو بہت سمجھدار تھی۔۔۔ لیکن لوگوں پر بیتے تو لوگ بھی جانیں کہ محبت بے وقوف کر دیتی ہے محبت سمجھدار نہیں رہنے دیتی۔

ایک لاکھ دفعہ پڑھنے والا وظیفہ اکیس لاکھ پر چلا گیا تھا۔ ایک عجیب سی بے بسی تھی جو آہستہ آہستہ پاکیزہ پر طاری ہو رہی تھی۔ آفتاب نے اس سے معافی مانگ لی تھی۔ تھوک دینا کون سی بڑی بات تھی۔ محبت نے عزت نفس کا احساس مٹا دیا تھا۔ پاکیزہ نے اسے معاف کر دیا تھا۔ قبر کے کہیں اندر سے عزت نفس کا احساس سر اٹھانے کی ناکام کوشش کرتی رہتی لیکن پاکیزہ ان سب ہی کوششوں کو دبک دبک کر سلاتی۔ وہ عزت کو سینے سے لگا لیتی تو لوگ کیا کہتے؟ ہزاروں جگہوں پر لوگوں نے آفتاب اور پاکیزہ کو ساتھ دیکھا تھا وہ پاکیزہ کو کیا سمجھتے۔۔۔؟ سوال یہ نہیں تھا کہ وہ لوگ دوبارہ ٹکرائیں گے یا نہیں۔۔۔ سوال یہ تھا کہ وہ آفتاب کے بغیر لوگوں کا سامنا کیسے کرے گی۔۔۔؟

انسان کو کوئی دوسرا برابر لگے تو اس کا گزارہ ہو جاتا ہے۔ وہ نفرت کے لیے ناپسندیدگی کے لیے ایک کونا مختص کر دیتا ہے لیکن اگر اپنا آپ برابر لگے تو گزارہ نہیں ہوتا۔ نفرت اور ناپسندیدگی کے لیے کونا مختص نہیں ہوتا۔ زندگی صرف ہو جاتی ہے۔۔۔ زندگی خود نفرت بن جاتی ہے!

پاکیزہ کو اپنا آپ برا لگنے لگ گیا تھا۔ جو اچھا لگتا تھا وہ اسے مل نہیں سکتا تھا پھر کوئی اور اچھا کیوں کر لگتا۔ ان آٹھ نو سالوں میں اس نے اٹھارہ انیس دفعہ استخارہ کروایا تھا۔ ایک سید دوست سے حساب کروایا تھا۔ سب نے یہی کہا تھا کہ آفتاب اس کے حق میں بہترین ہے۔ فٹ پاتھ پر بیٹھے باباجی سے لے کر درگاہ پر بیٹھے فقیروں تک سب نے مثبت اشارے دیئے تھے۔ عام انسان سے لے کر خاص تک سب ہی آفتاب کے حق میں رہے تھے۔ اعداد کا علم رکھنے والوں نے بھی یہی کہا تھا وہ آپ سے محبت کرتا ہے آپ ہی سے شادی کرے گا۔ اب جانے کیسی ہو اچلی تھی کہ سب مثبت اشارے گم گئے تھے۔ دل کی زمین بخر ہو گئی تھی۔ استخاروں نے اپنا وجود کھو دیا تھا۔ یہ وقت تھا کہ اس کے ہاتھوں میں مہندی لگتی۔۔۔ وہ دلہن بنائی جاتی لیکن اس وقت اسے سیاہ رنگ عطا کر دیا گیا۔ کتنا مشکل ہوتا ہے ساحل پر ایک قدم رکھنا اور پھر ڈگمگا جانا ساتھ ہی لہروں کا آنا اور آپ کو لے ڈوبنا۔۔۔

وہ ڈوب رہی تھی۔۔۔

نیچے۔۔۔

نیچے۔۔۔

اور نیچے!!!

☆☆☆☆☆☆☆☆

گلی گلی آباد تھی جن سے کہاں گئے وہ لوگ
 بستی اب کے ایسی اجڑی گھر گھر پھیلا سوگ
 سار سارا دن گلیوں میں پھرتے ہیں بے کار
 راتوں اٹھ اٹھ کر روتے ہیں اس نگرہ کے لوگ
 ”پاکیزہ مجھ سے ملو۔۔۔“ اصرار باقی تھا
 ”آفتاب کیوں ملوں؟ ملنے کو کیا باقی رہ گیا ہے؟“ دل سخت ہونے لگ گیا تھا۔
 ”تم مجھے انکار نہیں کر سکتی۔“

”آپ مجھے اقرار کرنے کی وجہ دے دیں میں بھی انکار نہیں کرنا چاہتی۔“
 ”وجہ ہے نا۔۔۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔“
 اور میں آپ کے ساتھ ایسے نہیں رہ سکتی۔

وہ ”وہ“ نہیں تھی۔۔۔ لیکن اکیلے میں ملنا اور سب سے چھپ کر رشتہ رکھنا۔۔۔ ایک دوسرے کو چھونا۔۔۔ لوگوں کے سامنے پاک
 پاکیزہ ہونے کا ڈھونگ رچانا۔۔۔ اسے نفسیاتی کرنے لگا تھا۔۔۔ اسے اپنا آپ داشتہ محسوس ہو رہا تھا۔
 ”میرے نیچے۔۔۔ مجھے جواب دیتی ہو؟ میرا تھوک چاٹنے والی مجھے جواب دیتی ہو؟ کسی۔۔۔ کی بچی میرے آگے زبان چلاتی ہو؟“ جو
 بات آفتاب نے ادھوری کہی تھی وہ پاکیزہ نے پوری سن لی تھی۔۔۔۔

آسمان پہلے کبھی نہیں گرا تھا پاکیزہ کو احساس ہوا۔۔۔ آسمان تو آج گرا تھا۔۔۔ سب کچھ تباہ ہو گیا تھا۔ یہ تھا محبت کا نتیجہ۔۔۔ !
 یہ تھا محبت کا انجام۔۔۔ !

”آپ مجھے طلاق دے دیں۔“ پاکیزہ نے ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

نکاح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسے احساس ہو گیا تھا۔ دل کو تسلی دینا چاہتی تھی۔

آفتاب نے جو ابانوں رکھ دیا۔ پاکیزہ کو رونا نہیں آ رہا تھا۔ وہ پچھلے دو سالوں میں بہت روچکی تھی۔۔۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔۔۔ مرنا چاہتی تھی! دو تین گھنٹے بعد حواس بحال ہوئے تو اسے رونا آیا لیکن موت نہیں آئی حالانکہ آج اسے موت کی چاہ تھی۔۔۔ شدید چاہ تھی۔ موت حرام ہے لیکن زندگی میں ایک دفعہ طلب ضرور بن جاتی ہے۔

”آپ مجھے طلاق دے دیں۔۔۔ آپ مجھے چھوڑ دیں!“ پاکیزہ کے لبوں سے اور کچھ نہیں نکل رہا تھا۔ وہ پیغامات میں بھی بس یہی دہرا رہی تھی۔

”میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ مجھے آپ خود سے الگ کر دیں!“ ایک ضد تھی جو پاگل پن کی طرح لبوں پر آٹھری۔ زبان کچھ اور کہنے سے قاصر تھی۔

”تم تو نکاح کے بارے میں ویسے بھی منحصر میں ہو۔۔۔ جاؤ میری طرف سے آزاد ہو!“ وہ جان چھوڑنے کو تیار تھا۔

وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ پاکیزہ کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ وہ اپنا سارا اعتماد گروی رکھ چکی ہے اور آفتاب اپنی ساری کمزوریوں کو طاقت میں بدل چکا ہے۔ وہ کسی سے تکیہا ہو کر نہیں بولتا تھا۔۔۔ گالی دینا تو بہت دور کی بات! اب اگر وہ گالی دے رہا تھا تو وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ وہ واقعی آفتاب بن گیا تھا۔ شدید گرم۔۔۔ جھلسا دینے والا۔۔۔!

”نہیں آپ اپنے منہ سے کہیں کہ آپ نے مجھے طلاق دی۔“ دیوانگی باؤلا کر دیتی ہے۔ وہ دیوانی زیادہ تھی یا باؤلی زیادہ۔۔۔ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

اس اصرار کے پرے کہیں امید کا موتی جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ شاید وہ مجھے منالیں۔۔۔ شاید وہ مجھے اپنالیں۔۔۔ شاید وہ سب ٹھیک کر دیں۔۔۔ آٹھ نو سال کی رفاقت کو وہ ایک دن کے غصے میں تو نہیں چھوڑے گا ناں؟ میں تو اس کی بچپن کی دوست ہوں۔ اب وہ جوانی میرے ساتھ گزار کر بڑھاپا کسی اور کو کے ساتھ کیسے جی سکتا ہے؟ وہ کسی اور کو کیسے نم بوسی دے سکتا ہے؟ وہ کسی اور کو کیسے اتنے پیار سے دیکھ سکتا ہے؟ وہ تو بہت صفائی پسند ہے۔۔۔ اگر میں خود کو ایک کے بعد دوسرے شخص کے حوالے نہیں کر سکتی تو

وہ ایک کے بعد دوسری لڑکی کے قریب کیسے جاسکتا ہے؟ اس نے اگر غلط بات کہہ دی تو کیا ہوا۔۔۔ بس وہ ایک دفعہ معافی مانگ لے میں اسے معاف کر دوں گی۔۔۔ معاف کیا کرنا۔۔۔ میں اسے پہلے سے زیادہ پیار دوں گی تاکہ وہ میری قدر کر سکے۔ میرا اور اس کا رشتہ اتنا کچا تو ہے نہیں کہ میں اس سے طلاق مانگوں اور وہ طلاق دے دے۔ کوئی ادھار تو ہے نہیں جو ہمارے درمیان تبادلہ ہو اور بھلا دیا جائے۔ ہمیشہ رہنے والے ساتھ میں بھی کبھی ایسا ہوتا ہے؟

وہ خود کو میرا friend forever کہتا ہے۔۔۔ میں اسے اپنا ہمجان سمجھتی ہوں۔ اگر اس نے غصے میں غلط لفظ استعمال کر دیئے ہیں تو میرا غصہ اسے اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس دلادے گا۔

”تم واقعی یہ سننا چاہتی ہو؟“ آفتاب نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔۔۔ امید کے موتی کی چمک کچھ اور بڑھ گئی۔

”اس ذلت بھری زندگی کو مزید کتنا گھسیٹوں آفتاب؟ اگر آپ مجھے اس ذلت سے نجات نہیں دے سکتے تو پھر اس رشتے سے نجات دے دیں۔“

”تم پچھتاؤ گی۔۔۔“

”آپ بھی تو پچھتا رہے ہیں مجھ جیسی نفسیاتی کے ساتھ رہ رہ کر۔۔۔“

”پھر طعنے دے رہی ہو؟ بہت مار کھاؤ گی تم اپنی زبان سے!“

”آپ وار کریں اپنی زبان سے۔۔۔ چھوڑ دیں مجھے!“

”میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پاکیزہ۔۔۔ میں نے تمہیں طلاق دی۔۔۔ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔“

”اب خوش ہو؟“ بہت سفاکی سے اس نے پوچھا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

وہ خوشی کے ججے بھی کرنا بھول گئی تھی۔۔۔

آسمان جو پہلے گرا تھا وہ پورا نہیں تھا پاکیزہ کو ایک بار پھر احساس ہوا۔

اب آسمان پورا گرا تھا۔۔۔ وہ پورے قد سے آسمان تلے دب گئی تھی۔۔۔ سانولا صبح سب بھول گیا تھا۔۔۔ اب کالا تھا۔ اس دنیا کا ہر رنگ کالا تھا!۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی قسط 15 دن بعد اپلوڈ کی جائے گی

آپ کی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔